فقر و فاقہ اور اس کا اسلامی حل

شیخ یوسف قرضاوی

تلخیص و ترجمہ: عبدالحمید صدیقی

(۳)

اسلام سرمایہ دارانہ طرز فکر کا مخالف ہے | اسلام جس طرح فقر و فاقہ کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے صرف انفرادی احسان پر انحصار کرنے کی تائید نہیں کرتا اسی طرح سرمایہ دارانہ نقطۂ نظر کی بھی حمایت نہیں کرتا۔ وہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ کوئی دولتمند آدمی اپنے مال و دولت کا حقیقی مالک اور اپنے مال کے تصرّف میں مختارِ کل ہے، چاہے تو خدا کی راہ میں دے اور چاہے تو بخل سے کام لے، یا اپنی خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل کے لیے بے جا طور پر خرچ کرتا رہے۔ یہ مطلقاً سرمایہ دارانہ نقطۂ نظر بلکہ موزوں ترین الفاظ میں اُس قارون کا نقطۂ نظر ہے جو اپنی مالداری کو اپنا کمال کہتا تھا اور خدا تعالیٰ کی نعمت کا منکر تھا اور اپنے اہلِ قوم کا حق مار لیتا تھا۔ اسی پاداش میں اللہ رب العزت نے اُسے اور اس کے گھر بار کو زمین میں دھنسا دیا تھا۔ سورۂ قصص میں ارشادِ خداوندی ہے:

فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ فَمَا كَانَ لَهُ مِنْ فِئَةٍ يَنْصُرُونَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِينَ ۔ (سورۃ القصص۔ ۸۱)

آخر کار ہم نے اُسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا پھر کوئی اس کے حامیوں کا گروہ نہ تھا جو اللہ کے مقابلے میں اس کی مدد کو آتا اور نہ وہ خود اپنی مدد آپ کر سکا۔

اسلام کا نقطۂ نظر دولت کے بارے میں یہ ہے کہ مال کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے اور دولتمند شخص مال کے قبضہ و تصرّف میں اس کا امین ہے جسے تصرفِ مال کے بارے میں ہر وقت مال کے حقیقی مالک کی مرضی و منشا کو ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَأَنْفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِينَ

اور خرچ کرو اس مال میں سے جس میں اُس نے تم کو

فِيهِ (الحدید: ۷) — اُلٹوں کا جانشین بنایا ہے

وَاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اٰتٰىكُمْ ۔ (النور: ۳۳) — اور اُن کو اس مال میں سے دو جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا ہے۔

اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ (البقرہ: ۲۵۴) — جو کچھ مال متاع ہم نے تم کو بخشا ہے اس میں سے خرچ کرو۔

زکوٰۃ کا اسلامی قانون اللہ تعالیٰ چونکہ مال کا حقیقی مالک ہے لہٰذا وہ دولتمندوں پر واجب قرار دیتا ہے کہ وہ اپنے مال و دولت میں غرباء و مساکین کا ایک مقررہ حق رکھیں۔ اس معاملہ میں اسلام صرف وعظ و تلقین اور ترغیب و ترہیب ہی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ وہ اسلامی حکومت کو یہ اختیار دیتا ہے کہ وہ دولتمندوں سے اللہ کا مقرر کردہ حق لے کر غرباء و مساکین کو دے اور جو اس قانونِ الٰہی سے سرتابی کرے اُس سے جنگ کی جائے تا آنکہ وہ چار و ناچار حق کے آگے جھک جائے۔ یوں اسلام وعظ و تلقین کے ساتھ حکومت اور قانون کا دباؤ بھی استعمال کرتا ہے، جبکہ انفرادی احسان کے قائلین صرف وعظ و تلقین ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔

اس قانون کی امتیازی خوبیاں فقر و فاقہ کے مسئلہ کو حل کرنے کے لیے اسلام کی یہی وہ خوبی ہے جو اُسے دوسرے نئے ازموں کے نقطہ ہائے نظر سے ممتاز کرتی ہے۔ اس کے علاوہ اسلام کے نقطۂ نظر کی مندرجۂ ذیل خوبیاں بھی کسی دوسرے نقطۂ نظر میں نہیں پائی جاتیں

۱۔ **سبقتِ زمانی**: اسلام نے چودہ سو سال سے فقراء و مساکین کے حقوق کو تسلیم کیا ہے اور اُن کے حصول کے لیے برسرِ پیکار ہے۔ کہاوت ہے کہ قابلِ تعریف وہی ہوتا ہے جس نے کسی نیک کام کا آغاز کیا ہو۔

۲۔ **ثبات و دوام**: انسان کے بنائے ہوئے نظاموں میں کئی قانون ہنگامی حالات کے تحت داخل کر لیے جاتے ہیں اور حالات بدل جانے پر انہیں خارج بھی کیا جا سکتا ہے۔ مگر جہاں تک اسلام کا تعلق ہے وہ اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ہمیشہ رہنے والا قانون ہے، حرفِ آخر ہے۔ اٹل اور ناقابلِ تغیر ہے۔

۳۔ **جامعیت**: یہ خوبی صرف اُسی نظام میں پائی جا سکتی ہے جسے اُس ذات نے بنایا ہو جو انسان اور کائنات سے پوری طرح واقف ہو اور اُن کی تخلیق کی حکمت سے بھی آگاہ ہو۔ اور یہ اُسی نظام

ہیں پائی جا سکتی ہے جو انسانی کمزوریوں اور خواہشات سے مبرا ہو کیونکہ انسانی خواہشات مختلف امور میں انسان کے فیصلوں پر اثر انداز ہو جاتی ہیں۔

۴۔ اصالت: اسلام نے فقراء و مساکین کے جو حقوق مقرر کیے ہیں اور اُن کے لیے جو قوانین بنائے ہیں وہ کسی خاص قسم کے حالات، انقلابات اور لڑائیوں کے دباؤ کے تحت نہیں بنائے گئے بلکہ وہ اسلام کے اساسی اور بنیادی قوانین ہیں۔

انشورنس کا جو طریقہ دورِ حاضر میں رائج ہے وہ اس بنیاد پر قائم ہے کہ پالیسی ہولڈروں کو اُن کی ادا کردہ قسطوں کی نسبت سے معاوضہ دیا جائے نہ کہ اُن کی حقیقی ضروریاتِ زندگی کا لحاظ رکھتے ہوئے۔ یعنی جو زیادہ رقم ادا کرے گا اُسے زیادہ حصہ ملے گا اور جو کم ادا کرے گا اس کا حصہ بھی اُسی نسبت سے کم ہو گا خواہ اس کی ضروریات کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہوں۔ اس کے برعکس اسلام جس اجتماعی انشورنس کا قائل ہے وہ یہ ہے کہ کسی ضرورت مند کو اتنا حصہ دیا جائے جس سے اس کی ضروریات پوری ہو جائیں اور اُس کی تکلیف و تنگی دُور ہو جائے۔

اسی طرح مغربی ممالک میں سوشل سکیورٹی کی مروجہ اسکیم بھی فقر و فاقہ کے مسئلہ کو حل کرنے سے قاصر ہے۔ اُس کی دو وجہیں ہیں۔

۱۔ اس میں وہ جامعیت نہیں کہ معاشرے کے سارے محتاج و تنگ دست افراد کو تحفظ کی ضمانت دے سکے۔

۲۔ یہ محتاج و تنگ دست افراد کی پوری طرح کفالت کرنے سے بھی قاصر ہے۔ اس کے برعکس اسلام کا ایک نظامِ زکوٰۃ ہے جو معاشرے کے سارے غرباء و مساکین کی کفالت باحسن وجوہ کر سکتا ہے۔

اسلام اور اشتراکی نقطۂ نظر کا اختلاف: اسلام جس طرح فقر و فاقہ کے بارے میں رہبانیت، جبریہ، انفرادی احسان کے قائلین اور سرمایہ داروں کے نقطہ ہائے نظر کی تردید کرتا ہے اسی طرح مارکسی اشتراکیت کی بھی پُر زور تردید کرتا ہے۔ اشتراکیت پسند گروہ کے نزدیک فقر و فاقہ کے مسئلے کا حل یہ ہے کہ دولتمند طبقے کو بالکل ختم کر دیا جائے اور اُن کے مال و متاع کو ضبط کر لیا جائے اور قانونِ ملکیت کو بالکل کالعدم قرار دیا جائے۔ غریب طبقے کو دولتمند طبقے کے خلاف بھڑکا کر طبقاتی کشمکش کو ختم دیا جائے۔

حتیٰ کہ مزدوروں اور محنت کاروں کے طبقے غالب آجائیں اور ایک پرولتاری ڈکٹیٹر شپ قائم ہوجائے۔

۱۔ اسلام ان سب باتوں کی پرزور تردید کرتا ہے کیونکہ یہ اسلام کے اصولوں سے قطعی طور پر ٹکراتی ہیں۔ دولتمند طبقے کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اگر کچھ دولتمند ایسے ہیں جنہیں اُن کی دولتمندی نے سرکشی اور بغاوت پر آمادہ کر دیا ہے اور وہ دوسروں کو اپنے ظلم و جور کا نشانہ بناتے ہیں اور کمزوروں اور محتاجوں کے حقوق غصب کر جاتے ہیں تو دولتمند طبقے ہی میں اللہ کے ایسے نیک بندے بھی ہیں جو دولتمندی کی نعمت سے متمتع ہوکر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور اپنے مال میں سے اللہ اور بندوں کا حق بھی ادا کرتے ہیں۔ اسلامی نقطۂ نظر سے کسی طبقے کے چند افراد کے جرم کی سزا اس طبقے کے سارے افراد کو نہیں دی جاسکتی، کیونکہ ہر شخص اپنے اعمال کے بارے میں خود جواب دہ ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ (طور: ۲۱)	ہر شخص اپنے کسب کے عوض رہن ہے۔
وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ۔ (انعام: ۱۶۴)	ہر شخص جو کچھ کماتا ہے اس کا ذمہ دار وہ خود ہے کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔

بلکہ قرآن مجید نے تو یہ بھی فرمایا ہے کہ اس اصول کو پہلے ادیان میں بھی تسلیم کیا گیا ہے:

أَمْ لَمْ يُنَبَّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَىٰ وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّىٰ أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ (النجم ۳۶-۳۹)	کیا اُسے ان باتوں کی خبر نہیں پہنچی جو موسیٰ اور ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں بیان ہوئی ہیں جس نے وفا کا حق ادا کر دیا؟ یہ کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور یہ کہ انسان کے لیے کچھ نہیں ہے مگر وہ جس کی اُس نے سعی کی ہے۔

اسلام ذاتی ملکیت کو تسلیم کرتا ہے، کیونکہ اس میں انسان کے ایک فطری جذبہ کی تسکین کا سامان ہے۔ اور اس میں معاشرتی پیش رفت اور اقتصادی ترقی کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ نیز یہ تمدنی اور سیاسی آزادی کے بقا کی مادی ضمانت ہے۔ اس نے ذاتی ملکیت کو کچھ حدود و قیود کا ضرور پابند بنایا ہے، مگر وہ عام طور پر ذاتی ملکیت کے اصول کو استحسان کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور مختلف قوانین و احکام کے ذریعے اُس کی حفاظت کرتا ہے اور

اس کو اپنے اقتصادی نظام کی بنیاد قرار دیتا ہے۔

ذاتی ملکیت کے اصول میں کوئی خرابی نہیں بلکہ خرابی تو اُن لوگوں کے اپنے اندر ہے جو اپنی ذاتی ملکیت کو بڑھانے کے لیے دوسرے لوگوں کا استحصال کرتے ہیں۔ اگر وہ لوگ ظلم و جور سے باز آجائیں تو یہی دولت اُن کے ہاتھوں میں خیر و اصلاح کا ایک ذریعہ ثابت ہوسکتی ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ۔ (وہ حلال طریقے سے کمایا ہُوا مال کتنا اچھا ہے جو کسی نیک آدمی کے پاس ہو) لہٰذا اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ انسان کے قلب و ضمیر کی اصلاح کی جائے۔ وہ اس مقصد کے حصول کے لیے صرف وعظ و تلقین ہی نہیں کرتا بلکہ انسان کو قانون کا پابند بنا کر اُس پر حکومت کی نگرانی بھی ضروری قرار دیتا ہے۔

اسلام افراد اور معاشرے کے باہمی تعلقات کو اخوت و تعاون کی بنیاد پر استوار کرتا ہے اور سوسائٹی کے مختلف افراد کی باہمی دشمنیوں اور مختلف طبقات کی باہمی کشمکش کو برقرار نہیں رکھتا، بلکہ کینہ، حسد اور بُغض کو ایسی آفات قرار دیتا ہے جو نیک اعمال کو اس طرح کھا جاتی ہیں جس طرح آگ ایندھن کو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حسد و بُغض کو اس کے خطرناک اور تباہ کُن اثرات کے پیشِ نظر دَاءُ الْاُمَمِ (امتوں کا مرض) قرار دیا ہے۔

اسلام ہر اُس ازم کی شدت سے تردید کرتا ہے جو اُمراء و فقراء کی باہمی کشمکش کو ہوا دیتا ہے۔ اسلام میں اخوت ایمان و اسلام کے شجرِ پُربہار کا شیریں پھل ہے۔ قرآنِ مجید کے ارشاد اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں) اور فرمانِ نبوی کُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰہِ اِخْوَانًا (اے بندگانِ خدا آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ) کے مطابق سارے مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ چنانچہ عبدالرحمان بن عوفؓ اور عثمانؓ بن عفان وغیرہ دولتمند صحابہ ابوہریرہؓ، ابوذرؓ اور بلالؓ وغیرہ غریب صحابہ ایک دوسرے کے رفیق تھے۔ کوئی غریب کسی امیر سے کینہ نہیں رکھتا تھا اور کوئی امیر کسی غریب پر اپنی برتری نہیں جتاتا تھا۔ وہ آغوشِ اسلام میں آکر آپس میں بھائی بھائی بن گئے تھے۔

اسلام کسی مسئلے کا کوئی ایسا حل قبول نہیں کرتا جو اور بہت سے خطرناک تر مسائل کو پیدا کر دے۔

کمیونسٹ اور سوشلسٹ فقر و فاقہ کے مسئلے اور اقتصادی خرابیوں کا یہ حل پیش کرتے ہیں کہ ساری قوم کی

آزادی سلب کر کے اُسے ایک ایسی جابر و ظالم ڈکٹیٹر شپ کے چُنگل میں دے دیا جائے جو اُن کے رزق اور دیگر ضروریاتِ زندگی پر پُوری طرح قابض ہو اور کسی کے لیے اس بات کا موقع نہ چھوڑے کہ وہ اپنی مرضی سے کوئی کام کر کے دولت کمائے اور اپنے حسبِ منشا اس میں تصرّف کر سکے۔ بالفاظِ دیگر اس کا مطلب یہ ہے کہ سارے باشندگانِ ملک کو ایک ہی رشتۂ غلامی میں منسلک کر دیا جائے، سب کے سب ایک ہی آقا کے تابع فرمان بن کے رہ جائیں اور اس آقائی پر وہ گروہ فائز ہو جو پولیس، جاسوسی نظام اور جیلوں وغیرہ کی مدد سے اقتدار پر قابض ہو گیا ہو اور لوگ اُس کے جبر و تشدد کے آگے بالکل بے بس ہوں۔ بلکہ اُس کے ہر اچھے بُرے عمل پر داد و تحسین کے ڈونگرے برسانے پر مجبور ہوں اور لفظ "نہیں" کہنا تو درکنار وہ حاکم گروہ کے کسی ناجائز حکم پر "کیوں" کہنے سے بھی بالکل عاجز ہوں۔ وہ اس کی بات کاٹ بھی کیسے سکتے ہیں جبکہ اُس کے قبضے میں اُن کا اور اُن کی اولاد کا رزق ہو اور اُن کے اپنے قبضے میں کچھ بھی نہ ہو۔

باوجود اس کے کہ کمیونسٹ اور سوشلسٹ قوم کی آزادی سلب کر کے اُن پر عرصۂ حیات تنگ کر دیتے ہیں اور لوگوں کی املاک اور پیداوار کے وسائل پر قبضہ کر لیتے ہیں، وہ فقر و فاقہ کے مسئلے کو حل نہیں کر سکتے۔

اقوامِ متحدہ کے دفترِ شماریات نے چند سال ہوئے مختلف ممالک میں ایک فرد کی سالانہ اوسط آمدنی کا نقشہ یُوں پیش کیا تھا جسے ہم ایک عربی پروفیسر ماہر نسیم کی کتاب "النظام الشیوعی" سے نقل کر رہے ہیں:

ریاستہائے متحدہ امریکہ	۱۴۵۳ ڈالر	ہالینڈ	۵۰۲ ڈالر
سوئٹزرلینڈ	۹۴۷ ڈالر	فرانس	۴۸۲ "
سویڈن	۷۸۰ "	چیکوسلواکیا	۳۷۱ "
برطانیہ	۷۷۳ "	روس	۳۰۸ "
ڈنمارک	۶۸۹ "	پولینڈ	۳۰۰ "
آسٹریلیا	۶۷۹ "	ہنگری	۲۶۹ "
بیلجیم	۵۸۲ "	چین	۲۷ "

اشتراکی ممالک میں سالانہ اوسط آمدنی کے معیار کی یہ پستی جو مذکورہ بالا نقشہ سے ظاہر ہے اس کا باعث

وسائلِ پیداوار کے غلط استعمال کو قرار نہیں جا سکتا بلکہ اس کا سبب وہ نظام ہے جو ذاتی ملکیت پر قدغن لگاتا ہے، انفرادی صلاحیتوں کو کچل ڈالتا ہے اور فرد کی آرزوؤں اور جذبات کو دبا دیتا ہے۔ جس کے تحت فرد کی کوئی قدر و قیمت نہیں، نہ اُسے کمانے اور خرچ کرنے کی کوئی آزادی ہے۔ ایک بالکل آزادانہ نظامِ زندگی کے مقابلے میں اس پابند اور مختلف قیود و حدود سے مقیّد و محدُود نظامِ زندگی کے دوسرے مروّجہ نظامہائے زندگی سے پیچھے رہ جانے کا اعتراف خود کمیونسٹ لیڈر بھی کر چکے ہیں۔ چنانچہ وہ اس نظام سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ دن بدن اشتراکیت سے دُور اور اُن نظاموں سے قریب تر ہو رہے ہیں جنہیں وہ ناپسند کرتے تھے۔

آخری بات یہ ہے کہ مارکسیت اپنی توجہ کا مرکز معاشرے کے اُن غریب، نادار اور عاجز لوگوں کو نہیں بناتی جو در حقیقت نگہداشت اور مدد کے محتاج ہیں وہ تو اپنی ساری توجہ پرولتاری طبقہ یعنی مزدُور اور کسانوں پر مرکوز کر دیتی ہے تاکہ سوسائٹی کے نظام کو بدلنے اور دوسرے تمام طبقوں کو ختم کرنے کے لیے انہیں اپنا آلۂ کار بنا سکے۔ مگر مارکسی سوسائٹی جس میں ہر فرد کو اُس کے کام کے مطابق معاوضہ دیا جاتا ہے، اُس میں ناداروں، بیواؤں، بوڑھوں اور بیماروں کو کون پوچھے گا؟ کیونکہ مارکسیت کا سارا فلسفہ اس اصول کے گرد گھومتا ہے کہ "جو کام نہیں کرتا وہ کھائے بھی نہیں"۔

فقر و فاقہ کا مسئلہ حل کرنے کے لیے اسلام کے وسائل

اسلام نے فقر و فاقہ کے خلاف باقاعدہ جہاد کا اعلان کیا ہے اور اس کو ختم کرنے کے لیے ہر وقت مستعد رہتا ہے مبادا کہ وہ انسان کے عقیدہ، اخلاق کردار، عائلی زندگی اور اجتماعی زندگی پر اثر انداز ہو کر کوئی خطرناک صورتِ حال پیدا کر دے۔ اسی لیے اسلام نے یہ بات لازمی قرار دی ہے کہ معاشرے کے ہر فرد کو کم از کم مندرجہ ذیل ضروریاتِ زندگی میسر ہونی چاہییں: خور و نوش، رہائش، گرمیوں اور سردیوں کا لباس، اگر وہ کسی فن میں مہارت حاصل کرنا چاہتا ہے تو اُس فن کی وہ کتابیں وغیرہ جن کی اس کو ضرورت ہو، اگر وہ کوئی دستی کام کرتا ہے تو اُس کام کے ہتھیار و اوزار، اور اگر وہ شادی کا خواہشمند ہو تو اس کی شادی کا انتظام۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ معاشرے کے ہر فرد کو اُس کے مناسبِ حال وہ معیارِ زندگی میسر آ سکے جو اللہ کے فرائض کی ادائیگی اور زندگی

کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے میں اس کے لیے ممد و معاون ہو۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرے میں معیشت کا یہ معیار ہر انسان کو کیسے حاصل ہو؟ اور اسلام نے اس سلسلے میں کونسے ذرائع و وسائل اختیار کیے ہیں؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اسلام نے انسان کی معاشی حالت کو بہتر بنانے کے لیے مندرجہ ذیل وسائل اختیار کیے ہیں۔

۱۔ عمل (کام کرنا) اسلامی سوسائٹی میں ہر فرد سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ کوئی نہ کوئی کام کرے اور اُسے یہ حکم ہے کہ وہ روئے زمین پر چلے پھرے اور اللہ کا دیا ہوا رزق کھائے۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ۔ (الملک: ۱۵)

وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو نرم بنا دیا پس چلو تم اس کے اطراف میں اور کھاؤ خدا کے رزق میں سے۔

کام، فقر و فاقہ سے نمٹنے کے لیے پہلا ہتھیار ہے، حصول مال کے لیے پہلا ذریعہ ہے، اور اُس زمین کو آباد کرنے کے لیے بنیادی عنصر کی حیثیت رکھتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی خلافت کا شرف بخشا ہے اور اس کو حکم دیا ہے کہ زمین کو آباد کرے۔ ارشادِ خداوندی ہے صالح علیہ السلام اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں:

يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا (ہود: ۶۱)

اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ وہی ہے جس نے زمین سے تم کو پیدا کیا اور یہاں تم کو بسایا ہے۔

اسلام نے ہر مسلمان کے لیے ہر کام کے دروازے کھلے رکھے ہیں۔ ہر شخص جس کام کی صلاحیت رکھتا ہو وہ اُسے اختیار کر سکتا ہے۔ کوئی مقررہ کام کرنا اُس پر فرض نہیں اِلّا یہ کہ سوسائٹی کی بہتری کے لیے اس کے سپرد کوئی خاص کام کر دیا جائے۔ البتہ اسلام اُن پیشوں کے اختیار کرنے سے روکتا ہے جو فرد اور معاشرے دونوں کے لیے ضرر رساں ہوں۔

اسلامی نظام کے زیرِ سایہ رہ کر کوئی محنت کرنے والا اپنی محنت کے معاوضے اور کوشش کے ثمرے سے

محروم نہیں رکھا جاتا بلکہ مزدور کی مزدوری اُس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ہی بلا کم و کاست ادا کر دی جاتی ہے۔ کیونکہ اگر اُسے وہ مزدوری نہیں دی جائے گی جس کا کہ وہ مستحق ہے تو یہ اُس پر ظلم ہوگا اور ظلم کو اسلام میں بالکل حرام قرار دیا گیا ہے۔

اسلامی نظام میں اس بات پر بھی کوئی قدغن نہیں کہ کسی محنت کار کے پاس حلال طریقے سے کمائی ہوئی اتنی دولت جمع ہو جائے جس سے وہ کوئی منقولہ یا غیر منقولہ جائیداد خرید سکے اور اپنے معیارِ زندگی کو بلند کر سکے یا اُس سے بیماری اور بڑھاپے کے ایام میں فائدہ اٹھا سکے یا اس کی اولاد اور ورثاء اس کے مرنے کے بعد اُس سے متمتع ہو سکیں۔

اسلام نے اُن تمام نفسیاتی اسباب اور عملی رکاوٹوں پر بحث کی ہے جو لوگوں کو جہد و عمل سے روکتی ہیں:

(۱) توکل علی اللہ کا دعویٰ لبعض لوگ توکل علی اللہ کا دعویٰ کر کے جہد و عمل سے بالکل فارغ ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور اس انتظار میں رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن کے لیے آسمان سے رزق اُتارے گا اور وہ کھائیں گے۔ ایسے متوکلین نے اسلام کو سمجھنے میں لغزش کھائی ہے کیونکہ توکل علی اللہ جہد و عمل کے منافی نہیں بلکہ مسلمان کا وتیرہ تو اس سلسلے میں یہ ہونا چاہیے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بدو سے فرمایا تھا جس نے اللہ پر توکل کرتے ہوئے اپنی اونٹنی کو کھلا چھوڑ دیا تھا۔ آپؐ نے اس سے فرمایا "اونٹنی کو باندھ اور پھر خدا پر توکل کر۔"

توکل علی اللہ کے مدعیان اپنے موقف کی حمایت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: لَوْ تَوَكَّلْتُمْ عَلَى اللهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ لَرَزَقَكُمْ كَمَا تُرْزَقُ الطَّيْرُ تَغْدُو خِمَاصًا وَتَرُوحُ بِطَانًا (اگر تم اللہ پر کما حقہ توکل کرو تو وہ تمہیں اس طرح رزق عطا فرمائیگا جس طرح کہ اُن پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے جو صبح کے وقت خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو پُر شکم ہو کر واپس لوٹتے ہیں)۔ مگر انہوں نے اس حدیث کو سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ حدیث میں لفظ تَغْدُوا وارد ہوا ہے جس کا مادہ "غدو" ہے، یعنی صبح کے وقت رزق کی تلاش میں نکلنا۔ حدیث میں یہ نہیں کہا گیا ہے

کہ پرندے گھونسلے میں بیٹھے رہتے ہیں اور پھر خدا ان کو وہاں رزق پہنچاتا ہے، بلکہ یہ فرمایا گیا ہے کہ جس طرح پرندے خدائی زمین سے رزق حاصل کرنے نکلتے ہیں اور پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں اسی طرح تم بھی نکلو، تمہارے لیے بھی خدا نے اپنی زمین پر رزق کا سامان پھیلا رکھا ہے۔

ایک دفعہ امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا: اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو اپنے گھر میں یا مسجد میں بیٹھ رہتا ہے اور کہتا ہے کہ میں کوئی کام نہیں کروں گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ مجھے رزق عطا فرمائے گا۔" امام صاحب نے فرمایا "یہ شخص جاہلِ مطلق ہے کیا اس نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نہیں سنا کہ "جُعِلَ رِزْقِي تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِي (میرا رزق میرے نیزے کے سائے میں رکھا گیا ہے)۔ اور آنحضرت صلعم کا یہ ارشاد اسے معلوم نہیں کہ پرندے صبح کے وقت تلاشِ رزق میں خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو پُرشکم ہو کر لوٹتے ہیں:" اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ بحر و بر میں تجارت کیا کرتے تھے اور اپنے نخلستانوں میں کام کیا کرتے ہیں اُن کا عمل ہمارے لیے نمونہ ہے۔

انسان اور کائنات کی تخلیق میں سنت اللہ کا تقاضا یہ ہے کہ روئے زمین پر انسان اور دیگر مخلوقات اپنی خوراک اور دیگر سامانِ زیست کوشش اور محنت سے حاصل کریں، تبھی تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ (زمین کے اطراف میں پھرو اور اللہ کا عطا کردہ رزق کھاؤ)۔ ایک اور جگہ قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللّٰهِ (الجمعۃ:۱۰)

پس جب نماز ادا ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (روزی) تلاش کرو۔

روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعض لوگوں کو دیکھا کہ توکل علی اللہ کا دعویٰ کر کے نماز کے بعد مسجد میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپؓ نے انہیں اپنے دُرّے سے مارا اور کہا کہ "کوئی شخص تلاشِ رزق کی کوشش ترک کر کے خدا سے یہ دعا نہ کرے کہ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي (اے اللہ مجھے روزی دے)، درآنحالیکہ وہ جانتا ہے کہ آسمان سے سونے اور چاندی کی بارش نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللّٰهِ (جب نماز ہو چکے تو زمین میں

منتشر ہو کر فضلِ الٰہی (رزق و روزی) تلاش کرو)۔

(ب) ترکِ دنیا: بعض لوگ اس وجہ سے کوئی کام نہیں کرتے کہ وہ اللہ کی عبادت کے لیے دنیا سے بالکل کنارہ کش ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جو قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں) تو اس میں اس بات کی ترغیب ہے کہ عبادتِ الٰہی کے لیے دنیا سے کامل طور پر کنارہ کش ہو جاؤ۔ ان کے نزدیک یہ بالکل جائز نہیں کہ عبادتِ الٰہی کو چھوڑ کر کوئی اور کام کیا جائے۔

یہ لوگ ترکِ دنیا کے باب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ہے کہ دنیا کا کوئی کام اگر صحیح نیت سے اور احکامِ اسلام کو مدنظر رکھتے ہوئے انجام دیا جائے تو وہ کام بجائے خود ایک عبادت بن جاتا ہے۔ انسان کا اس خیال سے تلاشِ معاش کے لیے نکلنا کہ وہ مال و دولت حاصل کر کے اپنا اور اپنے اہل و عیال کا پیٹ پالے گا، اپنے رشتہ داروں اور ہمسایوں سے بھلائی کرے گا، یا نیک کاموں میں اور راہِ خدا میں اور اعلائے کلمۃ الحق کے لیے خرچ کرے گا، راہِ خدا میں ایک قسم کا جہاد سمجھا جائے گا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تلاشِ معاش کے لیے زمین میں چلنے پھرنے اور جہاد فی سبیل اللہ کو مندرجۂ ذیل آیت میں جمع کر دیا ہے:

وَاٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ وَاٰخَرُوْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ (المزمل: ۲۰)	کچھ اور لوگ ہیں جو اللہ کے فضل کی تلاش میں سفر کرتے ہیں اور کچھ دوسرے لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔

ترمذی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا "جہاد فی سبیل اللہ کے بعد میرے نزدیک موت کے لیے سب سے اچھا وقت وہ ہے جب میں اللہ کا فضل (رزق و روزی) تلاش کر رہا ہوں"۔ یہ فرما کر آپؓ نے مذکورہ بالا آیت تلاوت فرمائی۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت کی ترغیب دلانے کے لیے فرمایا ہے: "ایک راست گفتار اور امانت دار تاجر قیامت کے دن انبیاء، صدیقین اور شہدا کے ساتھ ہوگا" (بخاری)۔

زراعت اور کاشت کاری کی ترغیب آپ نے یوں دلائی "کوئی مسلمان جب کوئی چیز کاشت کرتا ہے یا کوئی پودا لگاتا ہے پھر اس میں سے کوئی پرندہ، انسان یا چوپایہ کچھ کھاتا ہے تو وہ اُس مسلمان کی طرف سے صدقہ ہو جاتا ہے" (بخاری)۔ صنعت و حرفت کی ترغیب میں آپؐ نے فرمایا ہے "کسی شخص نے اپنے ہاتھ سے کما کر کھانے سے بہتر کبھی کوئی کھانا نہیں کھایا" اور فرمایا "جس شخص نے اس حال میں رات گزاری کہ وہ حلال روزی کی تلاش میں تھک گیا تو اُس نے مغفرت و بخشش سے مالا مال ہو کر رات گزاری"۔

امام ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک دفعہ پُوچھا گیا کہ آپ کے نزدیک کون زیادہ محبوب ہے۔ تاجر راست گفتار یا ہمہ وقتی عبادت گزار؟ آپ نے فرمایا "تاجر راست گفتار! کیونکہ شیطان اُس کے پاس ناپ تول کے وقت اور لینے دینے کے وقت آ کر بہکانے کی کوشش کرتا ہے اور وہ اس سے جہاد کرتا ہے"۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کیا ہی اچھا ہو کہ "درزی اپنی سوئی کو اور بڑھئی اپنی آری کو تسبیح بنالے!"

(ج) کام کرنے کو عار سمجھنا: بعض لوگ کوئی خاص کام اس لیے نہیں کرتے کہ وہ اس کے کرنے میں اپنی سُبکی اور رسوائی محسوس کرتے ہیں۔ مثلاً بہت سے عرب کسی پیشے یا دستکاری کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک عربی شاعر اپنے کسی قرضخواہ کی ہجو کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اُس کے آبا و اجداد میں سے ایک شخص لوہار تھا جیسے لوہار ہونا کوئی شرمناک یا رسواکُن بات ہو۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو دوسروں کے آگے دستِ سوال دراز کر لینے کو کسی ایسے محنت کے کام پر ترجیح دیتے ہیں جسے وہ حقیر اور قابلِ نفرت سمجھتے ہیں۔ اسلام نے ان غلط خیالات کی پُرزور تردید کی ہے، کام اور دستکاریوں کی قدر و قیمت بڑھائی ہے، بیکار رہنے اور دوسروں کے سہارے پر جینے کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا ہے اور واضح کیا ہے کہ اسلام کی نظر میں حلال طریقے سے روزی کمانا ایک نہایت ہی شریفانہ فعل ہے، خواہ دوسرے لوگ اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھیں۔

بخاری شریف میں زبیر بن عوامؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے کوئی شخص ایک رسی لے اور جنگل سے لکڑیوں کا ایک گٹھا لا کر اُسے بازار میں بیچے اور اللہ اس کو بے آبرو ہونے سے

بجائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے آگے دستِ سوال دراز کرے، وہ چاہیں تو اس کو دیں چاہیں تو نہ دیں"۔ اس حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کام خواہ کتنا ہی مشقت طلب ہو اور اُس سے فائدہ خواہ کتنا ہی کم ہو، بیکار رہنے اور دوسروں کے آگے دستِ سوال دراز کرنے سے بدرجہا بہتر ہے۔

بخاری شریف ہی کی ایک حدیث میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی ایسا نہیں مبعوث فرمایا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں"۔ صحابہؓ نے عرض کیا "اے اللہ کے رسولؐ! آپ نے بھی؟" آپؐ نے فرمایا: "ہاں میں بھی چند قیراط کے عوض اہلِ مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا"۔ مستدرک حاکم میں ابنِ عباس سے روایت ہے کہ داؤد علیہ السلام زرہ ساز تھے، آدم علیہ السلام کاشتکار تھے، نوح علیہ السلام بڑھئی تھے، ادریس علیہ السلام درزی اور موسیٰ علیہ السلام گڈریے تھے۔ تاریخِ اسلام کے بڑے بڑے ائمہ اور علماء جن کی شہرت چار دانگِ عالم پھیلی ہوئی تھی اور جن کو اُن کی علمی و ادبی تالیفات نے زندۂ جاوید بنا دیا ہے اُن میں سے بیشتر اپنے آباؤ اجداد کی نسبت سے مشہور نہیں تھے بلکہ اُن پیشوں کی نسبت سے مشہور تھے جو اُن کے یا اُن کے آباؤ اجداد کے ذریعہ ہائے معاش تھے۔ اور اسلامی معاشرے میں اسے بالکل معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا مثلاً اکثر علماء و ائمہ کے نام کتابوں میں بزّار، قفّال، جصّاص، خیّاط، صبّان اور قطّان وغیرہ ملتے ہیں۔ یہ سب پیشوں کے نام ہیں۔

(د) <u>سفر سے گریز</u>: بعض لوگ اس وجہ سے کوئی کام نہیں کرتے کہ انہیں اپنے شہر یا ملک اور اپنی جنم بھومی میں، جہاں اُن کے دوست احباب رہتے ہوں، کام نہیں ملتا اور وہ اپنے وطن یا شہر کو چھوڑ کر باہر جانا نہیں چاہتے۔ وہ اپنے وطن میں بیکار رہنے کو دوسرے علاقوں میں فراخیِ رزق و مال پر ترجیح دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اسلام نے ہجرت کی ترغیب دی ہے اور اس بات کی حوصلہ افزائی کی ہے کہ وہ تلاشِ معاش میں نکل کھڑے ہوں۔ نیز اُن پر یہ حقیقت واضح کی ہے کہ اللہ کی زمین بڑی وسیع و کشادہ ہے اور انسان کا رزق کسی ایک جگہ میں محدود و محصور نہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص تلاشِ معاش میں اپنے اہلِ و عیال اور وطن سے دُور چلا گیا ہو اور اس حالت میں اُسے موت آ جائے تو اُسے اپنے مولد (جائے پیدائش) سے لے کر مدفن (جہاں وہ دفن ہوا ہو) تک کی جگہ

کے برابر جنت میں جگہ دی جائے گی۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں۔ سافروا تستغنوا، "سفر کرو مالدار ہو جاؤ گے" (طبرانی)۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَ مَنۡ یُّهَاجِرۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ یَجِدۡ فِی الۡاَرۡضِ مُرٰغَمًا کَثِیۡرًا وَّسَعَةً۔ (النساء-۱۰۰)

اور جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں پناہ لینے کے لیے بہت جگہ اور بسر اوقات کے لیے بڑی گنجائش پائے گا۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مدینہ میں ایک شخص کا انتقال ہو گیا۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور فرمایا "کاش! یہ شخص اپنے مرز بوم (مدینہ) کے سوا کسی جگہ مرتا" حاضرین میں سے ایک آدمی نے کہا "اے اللہ کے رسول! کیوں؟" آپؐ نے فرمایا "جو شخص غریب الدیار مرتا ہے اس کے لیے اپنے مرز بوم سے لے کر جائے موت تک کی جگہ کے برابر جنت میں جگہ ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم مدینہ میں ایک شخص کی قبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا "کاش! یہ شخص غریب الدیار مرتا!"۔ ان احادیث سے تحریک پا کر پہلے زمانے میں مسلمان دور دراز علاقوں میں نکل جاتے تھے جہاں وہ تبلیغِ دین کا فریضہ انجام دیتے تھے، رزق تلاش کرتے تھے، علم حاصل کرتے تھے اور راہِ خدا میں جہاد کرتے تھے۔

ھ۔ صدقہ و خیرات پر انحصار: بعض لوگ کسی قسم کی محنت و مشقت نہیں کرتے، کوئی کام کرنے یا تلاشِ معاش میں زمین کے مختلف حصوں میں آنے جانے سے گریز کرتے ہیں اور دوسروں کے صدقہ و خیرات اور زکوٰۃ وغیرہ پر انحصار کرتے ہیں۔ وہ دوسروں سے سوال کرنے کو اپنے لیے مباح سمجھتے ہیں اور باوجود اس کے کہ سوال کرنے میں ایک قسم کی ذلت و رسوائی ہے۔ وہ جسمانی لحاظ سے بالکل ٹھیک ٹھاک ہونے ہوئے بھی دوسروں کے آگے دستِ سوال دراز کرنے سے ذرا نہیں ہچکچاتے۔ ایسے لوگ مسلمان ملکوں میں اکثر پائے جاتے ہیں۔ بادشاہوں، اُمراء اور اہلِ ثروت کے اردگرد جمع ہونے والے خوشامدی لوگ بھی اسی زمرے میں شمار ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کے بارے میں اسلام نے واضح طور پر کہا ہے کہ جب تک وہ طاقتور رہیں اور کمانے کی استطاعت رکھتے ہوں، وہ ہرگز زکوٰۃ و

صدقات لینے کے حقدار نہیں۔ چنانچہ ابو داؤد اور نسائی کی ایک حدیث میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے زکوٰۃ مانگنے والے دو آدمیوں سے فرمایا تھا: لَاحَظَّ فِیْھَا لِغَنِیٍّ وَّلَا لِقَوِیٍّ مُّکْتَسِبٍ: (کسی غنی، ہٹے کٹے اور کما سکنے والے کے لیے زکوٰۃ میں کوئی حصہ نہیں)۔ نیز ارشادِ نبوی ہے: "کسی غنی طاقت ور اور سلیم الاعضا شخص کے لیے صدقہ لینا جائز نہیں"۔

اسی طرح اسلام میں لوگوں سے بلا ضرورت سوال کرنے (یعنی خیرات و صدقات مانگنے) سے بھی بڑی سختی سے روکا گیا ہے۔ چنانچہ بخاری و مسلم میں ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "لوگوں سے ہر وقت مانگتے رہنے والا شخص قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کے چہرے پر ذرا گوشت نہیں ہو گا"۔ اور مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "جو شخص دوسروں سے بلا ضرورت محض اپنے مال میں اضافہ کرنے کے لیے سوال کرتا ہے وہ اپنے لیے انگارے مانگتا ہے، اب چاہے تو اُن انگاروں کو زیادہ کر لے چاہے تو کم کر لے"۔

صحیحین میں ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے منبر پر کھڑے ہو کر صدقہ، ناجائز امور سے باز رہنے اور لوگوں سے مانگتے پھرنے پر کلام کرتے ہوئے فرمایا: "اوپر والا (دینے والا) ہاتھ نیچے والے (مانگنے والے) ہاتھ سے بہتر ہے"۔ اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "کہ تم میں سے کوئی شخص صبح کے وقت نکلے اور اپنی پُشت پر جنگل سے لکڑیاں اٹھا کر لائے تاکہ وہ صدقہ کرے اور لوگوں سے بے نیاز ہو جائے، یہ اس کے لیے بہتر ہے اس سے کہ وہ کسی آدمی سے کچھ مانگے وہ چاہے تو اُس کو دے چاہے تو نہ دے۔ اس لیے کہ اُوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے"۔ مُسند احمد میں عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ "بندہ جونہی دوسروں سے مانگنے کا دروازہ کھولتا ہے اللہ تعالیٰ اُس پر فقر و فاقہ کا دروازہ کھول دیتا ہے"۔ اور نسائی میں عائذ بن عَمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ مانگا اور آپؐ نے اُسے عطا فرمایا۔ جب اس شخص نے اپنا پاؤں دروازے کی چوکھٹ پر رکھا تو آپؐ نے فرمایا: "اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے

کہ سوال کرنے میں کس قدر ذلت و رسوائی ہے تو کوئی بھی کسی کے پاس سوال کرنے کی غرض سے چل کر نہ جائے"۔

البتہ دو صورتوں میں سوال کرنا قابلِ مذمت نہیں: ایک یہ کہ حاکمِ وقت یا کسی ایسے شخص سے سوال کیا جائے جسے اللہ نے سائل کا سرپرست بنا دیا ہو۔ دوسرے یہ کہ کسی اشد اور ناگزیر ضرورت سے مجبور ہو کر سوال کیا جائے۔ اسلامی ریاست میں حاکمِ وقت کو یہ اختیار ہے کہ وہ ہر اُس شخص کو سزا دے جو بالکل تندرست و توانا ہو اور کما کر کھانے کی قدرت رکھنے کے باوجود سوسائٹی پر بوجھ بن کر زندہ رہنا چاہتا ہو، اور جس نے دوسروں سے مانگتے پھرنے کو پیشہ بنا لیا ہو، اور جو اس زعم میں مبتلا ہو کہ زکوٰۃ لینا اس کے لیے جائز ہے حالانکہ اُس کے لیے زکوٰۃ لینا حرام ہے۔ بغیر کسی جائز عذر کے بھیک مانگنا گناہ ہے اور ہر وہ گناہ جس پر از روئے شریعت کوئی حد نہ لگائی گئی ہو یا کوئی کفارہ نہ دینا پڑتا ہو مسلمان حاکم کے لیے جائز ہے کہ وہ اُس گناہ کا ارتکاب کرنے والے کو حسبِ حال کوئی سزا دے دے۔

(باقی)

مرنے کے بعد کیا ہوگا

عالمِ آخرت میں نیک مردوں اور نیک عورتوں کی رُوح پرور دوامی زندگی کے نظارے اور اللہ پاک کی طرف سے اعزاز و اکرام کی اُن پر بارش۔ بدکار مردوں اور بدکار عورتوں کو عبرتناک سزائیں اور اُن کے ہولناک انجام سے باخبر ہونے کے لیے اور اُن کے بُرے اثرات سے بچنے کے لیے کتاب

مرنے کے بعد کیا ہوگا

کا مطالعہ فرمائیں۔ ہدیہ مجلّد چھ روپے۔ ڈاک خرچ ایک روپیہ۔

تصنیف: حضرت مولانا عاشق الٰہی

ناشر خواجہ محمد اسلام کھڈیاں خاص ضلع لاہور